مطبوعات

قائداعظم محمد علی جناح
شخصیت و کردار
مؤلف: پروفیسر کرم حیدری
ناشر: ادارہ تحقیقات اسلامی
اسلام آباد
قیمت: -/۱۶ روپے

پاکستان کا نصب العین متعین کرنے کے لیے "تحریکِ پاکستان" کا فہم ضروری ہے اور جب تحریک پاکستان زیرِ غور آئے گی تو قائداعظم کا نام پہلا نام ہوگا جسے کسی بھی مبصر یا مؤرخ کو سامنے رکھنا ہوگا۔

اگرچہ تحریک پاکستان کل کی بات ہے، مگر تہائی صدی کے زمانی فصل اور نئی نسل کی کم آگاہی سے فائدہ اٹھا کر غیر اسلامی نظریات و تصورات کے حاملین اسلامی نظریۂ پاکستان کو گول کر جاتے ہیں اور مقصدِ پاکستان پر تحریف کا عمل کرتے ہیں، بلکہ قائداعظم کی تحریروں اور تقریروں کا وسیع ریکارڈ موجود ہونے کے باوجود اُن کے واضح تصورات کو مسخ کر دیتے ہیں۔ ان حالات میں یہ بڑی ضروری اور مفید خدمت ہے کہ جو بھی لوگ تحریک پاکستان کے محرکات و عوامل اور قائداعظم کے تصورات و تلقینات کو نمایاں کر سکتے ہوں کریں۔

راقم کے دوست پروفیسر کرم حیدری دانشوروں کی صف کے ایک فرد ہیں اور اُن کی لکھی ہوئی یہ کتاب متذکرہ مقصد کو بخوبی پورا کرتی ہے۔ پہلے باب میں انہوں نے اجمالاً یہ بتایا ہے کہ پچھلی اسلامی تحریکوں کے اثرات جمع ہو کر تحریک پاکستان کا سرمایۂ قوت بنے۔ بلکہ اُن کا باندھا ہوا عنوان (...... کی ارتقائی شکل) سے تو مفہوم وہی نکلتا ہے جو احسان دانش کے ایک مصرع میں "تمام خلوے سمٹ کر" کے الفاظ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ کم سے کم اتنا تو واضح ہے کہ پچھلی اسلامی تحریکوں کے اثرات نے ایک خاص طرح کا اسلامی نظریہ و نصب العین تحریک پاکستان کو دیا۔ برصغیر میں ہماری احیائی تحریکوں کا یہ تسلسل خود شہادت دیتا ہے کہ تحریک پاکستان کس اسپرٹ کے ساتھ اور کس مقصد کے لیے چل سکتی تھی۔ اس حقیقت کو اب غلط الفکر

دانشوروں کی کوئی فنی مہارت بدل نہیں سکتی اور نہ اسلامی مظاہر کی رَو کو روکا جا سکتا ہے جو پاکستان میں شدید مزاحمتوں کے باوجود زور پکڑ رہی ہے، جو کام مسلم لیگ نے شروع کیا تھا اس کی تکمیل کے لیے اور قوتیں بھی تو کام کر رہی ہیں۔

پھر قائداعظم نے دو قومی نظریے اور جداگانہ مسلم قومیت کے شعور کو جس انداز سے ابھارا اس کا ذکر ہے۔ پھر قائداعظم میں مومن کی بنیادی صفات کے موجود ہونے پر گفتگو ہے، اور آخری بات میں اسلامی آئین اور جمہوری معاشرے کی اہمیت پر بحث کی گئی ہے۔

ضروری حوالوں اور اقتباسات سے آراستہ یہ مختصر کتاب (۸۰ صفحات) اپنے موضوع کا حق ادا کرتی ہے۔ دلچسپ بات یہ کہ پروفیسر حیدری صاحب کی یہ کتاب اُن کی ایک غیر مطبوعہ کتاب کے اڑھائی سو صفحات کی تلخیص ہے جسے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے شعبۂ پاکستانیات نے تیار کرایا۔ وہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ خدا کرے اس کی اشاعت بھی عمل میں آجائے۔

ایک مقام پر کھٹک ہوتی۔ مسٹر جمیل الدین احمد مرحوم (جو بڑا شریفانہ مزاج رکھتے تھے) کے ایک اقتباس (ص ۶۶) کا مفہوم مؤلف نے اپنایا ہے۔ وہ اس میں بعض معترضین کی تردید کرتے ہوئے بڑے جذباتی انداز میں لکھتے ہیں کہ "انہوں نے اپنے گرد مذہبی تقدس کا ہالہ نہیں بنایا ہوا تھا" ــــ "عوام کے مذہبی جذبات اور تعصبات کا استحصال نہیں کرتے تھے" ــــ "وہ مذہبی رسومات کی نمائش نہیں کرتے تھے" ــــ "مذہبی یا منطقی موشگافیوں کا تانا بانا بھی نہیں بناتے تھے" ــــ اختتام اس جملے پر ہے کہ لیکن "وہ دین کی رُوح سے نہ صرف باخبر بلکہ پوری طرح سرشار تھے" ــــ سوال یہ ہے کہ "تقدس کا ہالہ" نہ سہی، لیکن کسی کے اندر فکری یا اخلاقی تقدس کا موجود ہونا تو مطلوب ہے۔ ورنہ کوئی مرحوم کی دیانت و امانت یا پابندیٔ وقت یا جمہوریت پسندی پر بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے ان خوبیوں کا اپنے گرد ہالہ بنا رکھا تھا۔ اگر کوئی شخص دین و مذہب سے سچی محبت کرے اور دینی اصولوں کے غلبے اور مذہبی اقدار کے فروغ کے لیے کام کرے گا تو وہ عوام کے دینی و مذہبی جذبات کو ضرور متحرک کرے گا۔ (اور یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ قائداعظم نے ایسا کیا۔ رہا کسی دھوکا دینے والے شخص کا استحصال کرنا تو جیسے مذہبی جذبات کا استحصال کر سکتا ہے، ویسے ہی کوئی دوسرا شخص جمہوری رجحانات کا بھی استحصال کر سکتا ہے۔ کوئی تیسرا سیاسی مسائل کا، معاشی اضطراب کا، دفاعی ولولوں کا بھی استحصال کر سکتا ہے۔

مذہبی جذبات وتعصبات کی بات غلط ہے، کہ "استحصال" سے پرہیز کے لیے یہ لازمی نہیں کہ سرے سے مذہبی جذبات ہی سے کوئی فارغ ہو جائے، یا ان کا تذکرہ نہ کرے۔ اور قائد اعظم نے مذہبی جذبات سے ایسی بے تعلقی نہیں رکھی ہے۔ کسی شخص کا مذہبی رسومات کی نمائش کے لیے اہتمام نہ کرنا اور بات ہے، اور مذہبی رسومات (میری مراد سنن، آداب، شعائر وغیرہ سے ہے) ہی کو خیرباد کہہ دینا اور بات ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی پروفیسر کرم حیدری جیسے مسلمان کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہوگی کہ اسلام نے بعض رسومات کو سب کے سامنے یا اجتماعی طور پر پورا کرنے کی تلقین کی ہے۔ مثلاً۔ کیا "السلام علیکم" کہنے" یا "بسم اللہ" پڑھنے سے بھی رسومات کا عالم بن جاتا ہے جو کوئی مہلک شے ہے؟ ایسا ہے تو پھر رہے گا کیا! اسی طرح مذہبی یا منطقی موشگافیوں سے بھی کسی کو پاک دامن قرار دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کسی طرح کی موشگافیاں نہ کرتا ہو۔ بہت سے لوگ سیاسی موشگافیاں کرتے ہیں۔ بہت سے قانونی موشگافیاں کرتے ہیں، آخر جو جس دائرے میں کام کرے گا اس میں جب بھی وہ بربنائے ضرورت باریک نکتوں تک جائے گا تو اسے موشگافی ہی کہا جائے گا۔ اگر کوئی شخص دین یا مذہب کے احیاء۔ یا اسلامی دستور یا اسلامی قانون یا اسلامی حکومت کے لیے کام کرے گا، اسے ان موضوعات پر نکتہ ہائے باریک بھی بیان کرنے ہوں گے۔ اسمبلی کا ہر سپیکر، ہر جج اور ہر وکیل اور ہر صنعت کار اور ہر تاجر اور ہر زمیندار اپنے اپنے دائرے میں موشگافی کرتا ہے۔ پھر کیا مطلب یہ ہے کہ اور تو سارے میدانوں میں ہر قسم کے موضوعات پر باریک بحثیں ہوسکتی ہیں۔ صرف دینی اور اسلامی امور پر نہیں ہوسکتیں۔ یہاں ہوں گی تو موشگافی بن جائیں گی۔ جن دوست کا اقتباس لیا گیا ہے، خود ان کو بھی شاید لفظ موشگافی کے خاص مفہوم کا تصور حاصل نہ تھا۔ اس سے مراد ایسی بحثیں ہوتی ہیں جن کی کوئی حقیقی عملی ضرورت نہ ہو، محض نکتہ آفرینی اور نکتہ آرائی کا مشغلہ اختیار کر لیا جائے۔ رہیں زندگی کی عملی ضرورتیں تو ہر شعبے میں باریک بحثیں ہوتی ہیں اور نکتے اٹھائے جاتے ہیں۔ اپنے اپنے کام میں تو ایک پٹواری اور ایک ناظر عدالت بھی باریک نکتے چھانٹنے پر مجبور ہوتا ہے۔ پروفیسر کرم حیدری صاحب ہی سمجھ سکیں گے کہ آیا جمیل الدین احمد مرحوم کی مراد یہ تھی کہ "اسلام" سرے سے قائد اعظم کا عملی میدان تھا ہی نہیں یا تھا تو سہی مگر یونہی سرسری، انہیں کبھی اس کے اصول و احکام اور ان کے تقاضوں پر سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہ تھی۔ آخری فقرے نے کمال کر دیا۔ اس اقتباس کی رو سے دین ایک الگ چیز معلوم ہوتا ہے

اور دین کی روح الگ ۔ ہمارے سامنے اس دینی روح کا بڑا ہی غلط استعمال ہوا ہے ۔ دینی روح ، دینی زندگی ہی میں پائی جا سکتی ہے ۔ ورنہ اگر دین کے مقابل احکام عبادات اور شعائر مسنونہ کو ایک طرف رکھ دیا جائے تو روح کس دار القرار میں جگہ پکڑے گی ۔ اسلام ایسی چیز نہیں کہ کچھ لوگ تو دین کو لے کر چلتے رہیں اور کچھ دین کا جوہر نکال کر روح کیوڑہ کی طرح استعمال کر لیں ۔

میرا یہ خیال ہے کہ اس طرح کی تحریریں قائد اعظم کی شان کو بڑھاتی نہیں بلکہ ان کی شخصیت کو نقصان پہنچاتی ہیں ۔

دوسرا بڑا اعتراض مجھے یہ ہے کہ قائد اعظم کی مشہور تقریر (مورخہ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء) جسے لادینی ریاست کے علمبرداروں نے اپنی پسند کا مفہوم دینے کی کوشش کی ہے ، اس کے متعلق قائد اعظم اور پاکستان کے ایک محب کو ایک زوردار اور مدلل وضاحتی نوٹ لکھنا چاہیے تھا ۔ افسوس کہ یہ کام رہ گیا ۔

بقیہ کتاب کے تمام مندرجات کا تفصیلی جائزہ تو ممکن نہیں ، ایک عمومی تبصرے کے طور پر یہ کہوں گا کہ (قطع نظر میرے مخلصانہ اختلافی نکات کے) یہ کتاب بہت مفید ہے اور اسے لائبریریوں اور اسکولوں میں خاص طور پر پہنچنا چاہیے ۔ بہ حیثیت مجموعی یہ ایک اچھی خدمت ہے ۔